**تنویر انجم کی شاعری میں آزاد رَو تانیثیت کے اہم افکار کی عکاسی**

**محمد رفیق ، پی ایچ ڈی اسکالر قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی پشاور**

**ڈاکٹر ناہید رحمان ، شعبہ اردو ، قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی پشاور**

**Abstract:**

The article covers fundamental ideas of liberal feminism that have been depicted by Urdu Poetess namely Tanweer Anjum. She has been impressed by the concepts of political autonomy and freedom. She has reflected Feminist problems such as Honor killing, Economic, Legal, Political and social rights of Pakistani women, who have been fallen victim to terrorism, Social oppression, Gender differences, Social stereotypes and Old customs.

***ملخص:***

اس مقالے میں آزاد روتانیثیت کے بنیادی افکار کا جائزہ لیا گیا ہے جنہیں اُردو کی ایک اہم شاعرہ تنویر انجم نے اپنی شاعری میں منعکس کیا ہے۔ وہ اس دبستان کے مشہور تصورات عورت کی سیاسی اور انفرادی خودمختاری سے متاثر نظر آتی ہیں ۔انہوں نے تانیثی مسائل جیسے پاکستانی عورت کا ناموسی قتل ،معاشی ، قانونی ، سیاسی اور سماجی حقوق کو موضوع بنایا ہے ۔ پاکستانی عورت دہشت گردی ، سماجی جبر، صنفی امتیازات ، سماجی کلیشوں اور فرسودہ روایات وغیرہ کو اپنی شاعری میں نمایا ں جگہ دی ہے۔

**Key words:**

Feminist Autonomy (تانیثی خود مختاری), Political Autonomy (سیاسی خود مختاری), Honor Killing (ناموسی قتل), Legal Rights (قانونی حقوق), Oppression(جبر), Stereotype(کلیشہ), Gender Differences (صنفی افتراقات)

آزاد رَو تانیثیت انفرادی خود مختاری کے حوالے سےعالمی معاشرہ میں خواتین کی ایک ا نسان کی حیثیت سے پہچان کی داعی ہےاور مرد کے برابرمساوی حیثیت دلانا چاہتی ہے۔حقیقت میں سیاسی جغرافیائی تقسیم کی وجہ سے عورتوں کو سب سے زیادہ نقصان اُٹھانا پڑا ہے خصوصاًعالمی اور علاقائی تنازعات کی وجہ سے دُنیا بھر کی خواتین در بدر ہوکر اپنی شناخت سے محروم ہوگئ ہیں اور ا ن کے بنیادی حقوق ہر جگہ مجروح ہورہے ہیں۔

برِصغیر کی تقسیم کے دوران بہت بڑے پیمانے پر ہجرت ہوئی تھی اور شاید یہ ایک بڑی سطح کی نقل مکانی تھی لیکن اس کے نتیجے میں بہت بڑے عدم اطمینان نے سر اُٹھایا اور بہت سےخاندان مغربی ممالک کو ہجر ت در ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔ اپنی جنم بھومی کو چھوڑ کر دوسرے معاشروں میں بود وباش اختیارکرنا اجنبیت اور مغائرت کا ایسا مسئلہ ہے جس کے نتیجے میں غیریت یا نامانوسیت پیداہوجاتی ہے ایک توہجرت کرنے والاخاندان نئےمعاشرے میں جذب نہیں ہوسکتااور رفتہ رفتہ اپنی زبان، اقداراور ثقافت کو بھول جاتا ہے۔ بعض معاشروں میں عورتوں کو تعصبات اور عصبیات کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہےمثلاًتمام مغربی معاشروں میں مسلمان خواتین کے حجاب کے خلاف منافرت پائی جاتی ہےاپنی زمین کو چھوڑنے سے شنا خت کی جو صورتحال جنم لیتی ہے اُسے تنویرانجم نے اپنی نظم’’گُم شدہ گھروں کے راستے‘‘میں اس طرح بیان کیا ہے :

گُمشدہ گھروں کے راستوں پر

اُداسیوں کے کنارے کنارے چلتے رہو

کہ اُداسیوں کے کنارے کنارے

کوئی لمحہ کشتی بن کر آن مَلے گا

اور تمہیں زندگی کے سمندروں کے پارلے اُترے گا

اور کبھی کبھی آئینوں میں دیکھتے رہو

کہ تمہارے چہرے پر تباہیوں کے کون کونسے رنگ ہیں

اور وہاں جہاں آنسو لڑکیاں بن کر نا چتے ہیں

کبھی کبھی جاتے رہو

کہ ہمیں اب وہ آبادیاں نہیں مِلیں گی

جہاں موسم موربن جاتے ہیں

اور جہاں پُھول من پسند ہاتھوں سے من پسند جُوڑوں میں ٹانکے جاتے ہیں

اور وہ تمام رائیگاں خوشبوئیں

جنہیں تم اپنے لاپتہ گھروں میں اُگاتے رہے

کسی ایسے دریچے میں چُھپارکھو

جہاں تمہاری نسل کے راز پوشیدہ ہیں

ہم نے آنکھیں بند کرلیں

اور خیالوں کے تِھر کتے ہوئے دھبّوں کو تھام لیا

ایسا نہ ہوکہ کوئی دھبّہ ہماری زبان پر گِر پڑے

اور رشتوں کی ساری تاریکیوں کو اور تاریک کردے

اس سے کیا ہوتا ہے کہ ان تمام ہاتھوں سے

جو ہماری جلاوطن تنہائیوں کے ساتھی نہیں ہیں

ہمارے خوابوں نے پُھول لینے سے انکار کرد یا

اور زندہ آبادیاں اور خوبصورت موسم ہماری رسائی سے بہت دور ہیں

ہم جو چلتے چلتے اپنے گھر بُھول گئے

اپنی گُمشدہ تاریخ کو کہاں کہاں ڈھونڈیں گے

اور آنے والی نسلوں کے لئے کونسے تحفے سنبھال کر رکھیں گے

اور وہ محبتّیں جو نا کامیوں کے باوجود کی جاتی رہیں

اور وہ نفرتیں جن کے لئے لفظوں کے نئے پیرہن ھونڈنے میں

ہماری عمریں اچانک ہی گزرگئیں

تمہارے ذہن کی حدودمیں داخل نہ ہوسکیں گی

اور ہم اپنے دِلوں کی جنتّیں جلا کر

اپنے گُمشدہ گھر تک پہنچ نہ پائیں گے (۱)

آزاد رو تانیثیت کے بنیادی فلسفے کی رُو سےعورت بھی ایک انسان ہے اور اُسے ایک آزادا نسان کی حیثیت سے پہچان دینا ا س کا اہم ترین بنیادی حق ہے کیونکہ تقریباًسبھی معاشرے مرد محیط اقدارپر اُستوار ہوئے ہیں اور عورت محیط قدروں سے عاری ہیں اور عورت کی پہچان صرف ا نسان کی حیثیت سے نہیں کی جاتی بلکہ نسلی عصبیت،جہالت،ذات وپات،جرگہ بندی،تہذیب ،مذہب اور دیگریک طرفہ استحصالی تجربات سے اُس کومتواتر دبائے رکھا جاتا ہے۔

تنویر انجم نےاپنی نظم ’’یہ محض اتفاق ہے‘‘میں صنفی امتیازات اور مردوں کے عمومی روّیوں کو موضوع بناتے ہوئے کہا ہے کہ مرد عورتوں کومخصوص سماجی فوائداورمادی احتیاجات کے لیے پسند کرتے ہیں۔ مرد عورتوں کو اس لیے برداشت کرتے ہیں کہ وہ ان کی اچھی ملازمائیں ،اولاد کے وسیلے،تسکین کے ذرایع اورلونڈیاں ہوسکتی ہیں لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ا ن کی دوست اور رفیق نہیں ہو سکتیں اس لیے کہ مرد جب چاہتے ہیں عورت کوغیرت کے نام پر قتل سے گریز نہیں کرتے گویا یہ کہنا زیادہ درست ہو گا کہ عورتوں کی حیثیت پھولوں سے زیادہ نہیں ہے ، مرد ا ن کی خوشبو سے لطف اندوز ہونے کے بعد ا ن کو مسلنے میں دیر نہیں کرتے۔ شاعرہ کے نزدیک یہ محض اتفاق نہیں ہےبلکہ مردوں کامتفقہ لائحہ عمل ہے کہ عورتوں کو اپنی ذات اور خواہش کے لیے زندہ رکھیں۔ نظم ملاحظہ ہو:

یہ محض اتفاق ہے

تمہارے شریر میں ایک بچہ

جسے کوئی ہے

ی ماں نہیں ملی

میرے دھیان میں ایک لوری ہے

جو تمہیں سنائی جاسکتی تھی

تمہارے شریر میں ایک مرد ہے

جسے کوئی عورت نہیں ملی

میرے دھیان میں ایک رقص ہے

جو تمہیں دکھایا جاسکتا تھا

تمہارے شریر میں ایک بوڑھا ہے

جسے کوئی اولاد نہیں ملی

میرے دھیان میں ایک لڑکی ہے

جو تمہارے تھکے ہوئے پیر داب سکتی تھی

اور یہ محض اتفاق ہے

کہ تم میرے دشمنوں کے ساتھ

مجھے قتل کرنے آئے ہو

تمہارے شریر میں ایک جنگ ہے

یا شاید میرے دھیان میں

یا شاید ہمارے اطراف میں

ابھی میری موت کے بعد

شہزادی کی سواری گزرے گی

اور اسے دیکھنے کی خواہش میں کھلی رہ جانے والی کھڑکیوں پر

تیر بر سائے جائیں گے

اور کبھی نہ کبھی یہ اتفاق ہوگا

کہ تمہاری کھڑکی کھلی رہ جائے گی

ہم ان شاخوں میں سے ہیں

جنہیں تراش کر دنیا کے باغ کو خوبصورت بنایا جائے گا

تہمارے شریر میں ایک موت ہے

جو میرے نصیب میں لکھی ہے

میرے دھیان میں ایک تیر ہے

جو خواہش کی کھلی رہ جانے والی کھڑکی سے آنے وال ہے(۲)

اگر چہ بھوک اور فاقہ کشی ایک عالمگیر مسئلہ سمجھا جاتا ہےتاہم مردوں کے مقابلے میں عورتیں اور بچیاں اس کا زیادہ شکا ر ہوتی ہیں ،عورتوں کو مردوں کے برابر حصہ نہیں دیا جاتااور جان بوجھ کر ا ن کو پسماندہ رکھا جاتا ہے۔پاکستان میں کئی خاندان ایسے ہیں جو عورتوں کو جائیداد میں حصہ نہیں دیتے جبکہ صنفی امتیاز کی بنیاد پرانھیں غذائی قلت کا مسئلہ در پیش ہے۔ بیشتر گھرانوں میں لڑکیوں کو ا س وقت تک کھانا نہیں دیا جاتا جب تک لڑکےکھانا نہ کھائیں ان کو بچاکچھاکھانا دیاجاتاہے جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ مرد کماؤ سمجھاجا تا ہے اورخاندان کی جائداد کا وارث بھی چنانچہ میکے میں بھی لڑکیاں کمزور غذا کھانے پر مجبور ہوتی ہیں اور سسُرال میں بھی۔ پس تنویر انجم نے اپنی نظم میں طنز کے طور پر کہا ہے کہ عورت کی بھوک کا مسئلہ قبر میں جاکر حل ہو گا۔عورت کے مقدر میں نہ ختم ہونے والی بھوک اور اور انتظار کی اسی کیفیت کو نظم ’’تھال میں روٹی سوکھ گئی ہےْ‘‘ میں ملاحظہ کیجیے:

تھال میں روٹی سوکھ گئی ہے

بھوک بہت ہے

تھال میں روٹی سوکھ گئی ہے

دیر بہت کی آنے میں

پیاس بہت ہے

ہوا نے پانی خشک کیا ہے

دیر بہت کی آنے میں

مٹی کھودنے جانا تھا

دریا ڈھونڈنے جانا تھا

چاند کو چھونے جاتا تھا

دل کا لوہا کُند ہوا تو

لہو بدن کا سر ہوا تو

چاند کا رستہ بند ہوا تو

بھوک بہت ہے

پیاس بہت ہے

قبر پر اُگنے والی

خودرو گھاس بہت ہے (۳)

اپنی نظم ’’خاندان‘‘میں تنویر انجم نے مشرق میں عورت کےاستحصال کو موضوع بنایا ہےجس میں شاعرہ نےکُھل کرمشترکہ خاندانی نظام کی مخالفت کی ہے۔شاعرہ کے نزدیک مشرق میں خاندانی نظام کی ساخت میں بنیادی کردار ذات پات ،نسلی عصبیت اور خاندا نی وجاہت کا فاخرانہ تصور ادا کرتا ہے،سیاست، معاشرت اورانتظام کاری کی ہر سطح پرخاندانی بڑائی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ انتخابات میں بڑےخاندانوں کو ووٹ دینا اور ا ن کو اقتدار کی کرسی تک پہنچاناتمام غریب طبقات پر فرض کیا گیا ہے، سماجی عزت کا مستحق صرف اعلیٰ خاندانوں کوقرار دیا گیا ہے۔ اس طرح ریاست کے انتظامی اُمور میں خاندانی وجاہت کو ترجیح دی جاتی رہی ہے لیکن یہی خودساختہ خاندانی نظام بھکا رنو ں کو پیسوں کے ساتھ بچےّ بھی دیتا ہے۔ یہی نظام بیرونی ملک دولت کمانے والوں کی عورتیں کو بھی اپنے مردوں سے دُور رکھنے میں نمایاں کردار اداکرتا ہے، یہی پورا نظام بدعنوانی پر قائم ہے اورااسےخاندانی تفاخر کا شکار مرداپنی عورتوں کو دولت اور اقتدار کے حصول کے لیے رقص بھی سکھاتاہے ، گویاخاندانی وجاہت کا پورا نظام منافقت اور دوغلے پن کا شکار ہے۔ شاعرہ نے اِن تمام منافقانہ روّیوں کو نظم کیا ہے :

**خاندان**

نقاب پوش بھکارنیں ویگنوں میں مردوں کے درمیان سے گزرتی ہیں

میرا جسم جنسی بھوک سے تڑپتے ہوئے مردوں سے ٹکراتا ہے

میری ماں کہتی ہے

ہمارےخاندان کی بیٹیوں کی شرافت بے مثال ہے

جوان بھکارنوں کو بھیک میں

پیسوں کے علاوہ بچے بھی ملتے ہیں

بھیک دینے والوں کا دل پگھلانے والے کمزور بچے

میرے لا وارث بچوں کے باپ کون سے بنگلوں میں رہتے ہیں

مجھے ان کے پتے معلوم نہیں ہیں

میرا باپ کہتا ہے

ہم خاندانی لوگ ہیں

ہمارے بیٹے نظریں اُٹھا کر بے پردہ لڑکیوں کو نہیں دیکھتے

غیر ممالک میں پیسہ کمانے والوں کی بیویاں

شوہروں کا انتظار چھوڑدیتی ہیں

اخباروں میں چھپتا ہے

ہمارے ملک کی معیثت اور سکون کا دارومدار

بڑی حد تک

غیر ممالک میں کام کرنے والے محنتی نوجوانوں کے

بھیجے ہوئے زر مبادلہ پر ہے

ایک پر خلوص افسر اپنے ماتحت کو سمجھاتا ہے

اگر چھوٹی چھوٹی باتوں میں اُلجھ کر اس طرح بیک ورڈ رہے

تو عمر بھر ترقی نہیں کر پاؤ گے

میرا شوہر مجھے جدید رقص کے اُصول سکھاتا ہے

مشرق کےخاندانوں میں

جو محبت اور تعاون ہے

وہ اور کہیں نہیں ہو سکتا (۴)

تنویر انجم نے اپنی نظم ’’منسٹر صاحبہ کی پاورپوائینٹ فائل‘‘میں عالمی دہشت گردی اور غیر جمہوری سیاست کے نتیجے میں پاکستانی عوام کا سیاسی چہرہ دکھاتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک خاتون وزیر کی اقوامِ متحدہ میں قرض اور امداد مانگنے کے لیےپریزینٹیشن کی فائل پاکستانی سماج کی کئی تصویریں لگائی جاسکتی ہیں مثلاًسڑکوں پر بھکاری عورتوں اور ا ن کے بچوں کی تصویریں ،دہشت گردی میں ملوث کردہ مولویوں کی تصویریں یا پھر دہشت گردی اودھماکوں میں جُھلسے ہو ئے افراد کی تصویریں ،سب پریزینٹیشن کےلئے درست ہیں کیونکہ ہمارے پاس بھیک اور امداد مانگنےکے لیےانتخاب زیادہ ہے۔ جب امدا د آئے گی تو اہل ِاقتدار آپس میں بانٹ لیں گے اور بھوک یا غُر بت کا راج اُسی طرح جاری رہے گا۔نظم کا طنز آمیز لہجہ اور الفاظ کی کرختگی ملاحظہ کیجیے:

منسٹر صاحبہ کی پاور پوائنٹ فائل

یواین اوکے سامنے پیش کرنے کو

منسٹر صاحبہ کی پاور پوائنٹ فائل میں

تصویر یں کون سی رکھی جائیں

سڑکوں پر بھکاری بچے

ایک جیسے لگتے ہیں

کوئی بھی رکھ لیں

برقعوں میں ملبوس عورتوں کے چہرے

ایک جیسے لگتے ہیں

کوئی بھی رکھ لیں

داڑھیوں میں چھپے مولویوں کے چہرے

ایک جیسے لگتے ہیں

کوئی بھی رکھ لیں

دھماکوں کے بعد مسخ شدہ جسم

ایک جیسے لگتے ہیں

کوئی بھی رکھ لیں

منسٹر صاحبہ کے لیے پاور پوائنٹ فائل میں

ڈیزائن کون سارکھا جائے

رنگ کون سے بھرے جائیں

آپشنز بے شمار ہیں

کسی ماہر کو بلائیں (۵)

تنویر انجم نے اپنی نظم ’’عالمی ادب اور خواتین ‘‘ میں عالمی ادبیات میں عورتوں کی ادبی تصاویر اورمرّقعات کا ذکر کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مردوں نے عورتوں کو غداریا بے وفا کرداروں کےطور پر پیش کیا ہے۔ یو نا ن کی اینٹی گنی، ہندوستان کی شکنتلا،میرابا ئی ،عراق کی شہر زادبانو،مغرب کی ڈیسیڈی مونا،کاوسلوپلاتھ اور ایملی ڈکنس جیسی نامور خواتین کا ذکر مردلکھاریوں نے مکّار اور چالاک کرداروں کے روپ میں کیا ہے حالا نکہ یہ سب مردوں کے ظلم و جبر کا شکار ہوئیں۔ ان خواتین کا ذکر ادب میں صرف نصابی خانہ پُری کے لیے کیا جاتا ہے لیکن مردوں کے ہاتھوں ا ن پر ڈھائے جانے والے مظالم کا متعصبانہ جواز پیش کیا جاتا ہے۔

تقریباً سبھی تانیثی تحریکوں نےعالمی ادبیات میں عورت کی پیشکش پر اعتراض کیا ہے کہ اَن میں عورتوں کے بارے میں مرد ساختہ یک رُخی تصویر پیش کی گئی ہےلیکن آزاد رَو تانیثیت ادبیات کو صنفی امتیازات کے تناظر میں دیکھتی ہے اور عورت کی آزادی اور مساوات کو ادبیات میں تلاش کرتی رہتی ہے۔اس کے علاوہ مشہور تانیثیت پسند خواتین مثلاً ارن دھت رائے،فدویٰ طوقان اور نوال السعودوی کا ذکر بھی فکری انتہاپسندی کے ضمن کیا جاتا ہے اور یہ سب کمزور اور رٹہ بازطلباء کو صرف امتحانی ضرورتوں کے لیے پڑھا یا جاتا ہےکہ وہ تاریخی صداقتوں پر کوئی سو ال نہ ا ُٹھا سکیں۔ اس نصابی المیہ کو شاعرہ نے اپنی نظم میں یوں واضح کیا ہے :

عالمی ادب میں خواتین

بھر گئیں ایک چوتھائی کرسیاں کمرے کی

نئے لوگوں سے

غم سے آزاد چہروں والے

پھر اینٹی گنی نے جان دے دی اپنی

اپنے بھائی کی لاش کو دفن کرنے کے لیے

شکنتلا کو محبت میں محویت کے سبب

بددعاملی

کھوبیٹی وہ انگوٹھی

جس سے مشروط تھی دُشینت کی یا دداشت

شہر زادنے برداشت کی انتہا کردی

ایک ہزار ایک راتوں تک

ایک قاتل کو کہانی یاں سناتے

بغداد کی لڑکیوں کو بچانے کے لیے

میر ا بائی نکل گئی جنگلوں میں

جو گیوں کے ہمراہ

یاشاید سماگئ کرشن کی مورتی میں

اپنے محل کے قاتلوں سے بچ کر

گلاگھونٹ دیا حاسد اوتھیلونے

ایک نا قابلِ براداشت الزام کے بوجھ سے

نجات کے لیے

سوجانے والی ڈیسڈیمونا کا

ایملی ڈکنسن سوار ہوگئی

ایک رتھ پر

موت کے ساتھ

سلویا پلاتھ نے گالی دی

اپنے باپ کو

اور گیس بھرے چولھے میں سردے دیا

گھومتی رہیں کمرے میں

اپنی درد بھری چیخوں کے ساتھ

فدویٰ طوقان، نوال السعدوی ، ارن دھتی رائے

پھر اٹھ گئے

غم سے آزاد چہروں والے طالب علم

چوتھائی کرسیوں کو خالی کرکے

باہراپنی اور دوسرے خوش باش لوگوں کی

تصویر یں کھینچنے کے لیے

امتحان میں کامیابی کے لیے

نچلے ترین درجے پر قانع

ناکام ہوگئیں

تاریخ کی غمزدہ ترین عورتیں

انہیں پاگل کرنے یا مرنے پر اکسانے کی

تعلیمی سازش میں (۶)

نظم ’’وہ ہمیں رُلا سکتا ہے‘‘میں شاعرہ نے سرمایہ درانہ نظام پر طنز کرکےیہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ عالمی سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت کے نتیجہ میں مالی بدعنوانی کا کلچر مضبوط ہو چکا ہے اور دیانت داری، ایمان داری اور امانت داری جیسی اخلاقی قدریں ختم ہوچکی ہیں۔ شاعرہ کے نزدیک بڑے اور اعلیٰ ترین درجے کے ہوٹلوں میں کام کرنے والی افرادی قوت اتنی ایمان دار ہوچکی ہے کہ ایک ایک روپیہ گاہکوں کو واپس کردیتی ہے لیکن بڑے بڑے ممالک اربوں ڈالرخلائی دوڑ کے نام پرپھانک لیتےہیں اور ترقی پذیر ممالک کے حکمران عوام کے نام جو قرض لیتےہیں وہ عوام کی فلاح اور بہبود کی بجائے بیرونی ملک منتقل کرکے اپنی جائدادیں بنانے میں صرف کردیتے ہیں اور اس کی ادائیگی عوام کے ذمہ بدستور رہتی ہے اور یوں دنیا بھر میں مالدار اور غریب کےنام سے دو طبقات ہمیشہ کے لیےموجود رہتے ہیں۔ تنویرانجم نے درج ذیل غزلیہ شعروں میں اس معاشرتی تضادکی طرف یوں اشارہ کیا ہے :

؎اک کھیل نےدکھائے دنیا کے سب تماشے  
اہلِ ہوس کودیکھا،، اہلِ کرم کو دیکھا (۷)  
؎رہبر و رہزن ہیں اک ِزنجیر میں باندھے گئے  
ہے فلک گریہ کناں ، یہ شہرِبے آئین ہے (۸)

شاعرہ کے نزدیک کسی ہوٹل کا مزدور بھی امانت گر ہوتاہے اور کسی ریاست کا حکمران بھی۔ مگر اولذکرامانت داری پر ایمان رکھتاہے جبکہ حکمران لُوٹ مار کو ترقی سمجھتے ہیں ؛ کسی غریب کی ایمان دار ی اور اہلِ اقتدارکی حرصِ ناتمام کو دیکھ کر ہر ذی فہم انسان کو رونا آتا ہے، نظم ملاحظہ کیجیے:

وہ ہمیں رُلا سکتا ہے

دس سال کے صاف ستھرے بلّو کو کوئی نہیں دیکھتا

مگر وہ کبھی کبھی ہمیں رلا سکتاہے

ایک روپے میں

ایک روپیہ اب کچھ خریدنے کے قابل نہیں رہا

اور کاغذ کے نوٹ سے پیتل کے سکّوں میں

تبدیل ہورہا ہے

سات ارب ڈالر کا نیا امریکی خلائی اسٹیشن

ایٹمی اور غیر ایٹمی ہتھیاروں پر دولت کا ضیاع

غیر ملکی قرضوں

بینکوں میں قرضوں کے معافی ناموں

اور اس طرح کی ہزاروں بدعنوانیوں نے

ایک روپے کو بالکل بے کار کردیا

اور سگنلوں پر بھکاریوں نے

دوروپے کے نوٹ کی توقع شروع کردی

برگر، سینڈوچ، سمو سے اور چائے سرو کرنے کے لیے

بلّو کی پگار کیا ہے؟

ہم نے کبھی جاننے کی کوشش نہیں کی

ہمارے اپنے مسائل کچھ کم نہیں

ہمیں تو ایک نوجوان کو

بزنس مینجمنٹ کی ایک امریکی کتاب پڑھوانے کے لیے

کئی ہزارروپے ادا کرنے ہوتے ہیں

اور ایسی ہی بہت سی دیگر ادا ئیگیاں

جو ہمیں ایک تگ ودو میں مصروف رکھتی ہیں

ہم شاموں کو عام طور پر وہاں چائے پیتے ہیں

جہاں ایک پیالی چالیس روپے کی ملتی ہے

مگر لنچ سے پہلے بلّو کے مالک کی کینٹین میں

چارروپے میں

بلّو پر شاید اس کے مالک نے پابندی لگائی ہو

یا اس کے والدین نے سکھایا ہو

یا یہ اس کی فطری خودداری ہو

وجہ کچھ بھی ہو

مگر پانچ روپے کے نوٹ سے بچا ہوا ایک روپیہ

جو ہم اپنی نرم دلی کے باعث

اسے ضرور دینا چاہتے ہیں

وہ بہ اصرار واپس کرکے

ہمیں بے اختیار رلاسکتا ہے (۹)

مذکورہ بالا نظموں کے علاوہ تنویر انجم کی اہم ترین نظموں میں ’’نئی زبان کے حروف‘‘، ’’آخری قطار میں گایا ہوا گیت‘‘،’’بھیگے ہوئے پر‘‘،’’گلاب اورخاندان‘‘، ’’مجھے کوئی جلدی نہیں ہے‘‘، ’’جب سوچ رہی تھی میں ‘‘، ’’یہ میری دوڑنہیں ہے‘‘، ’’حاشیوں میں ‘‘،’’اپنی طاقت پر توجہ مرکوز رکھنے کے لیے‘‘اور’’ہماری دنیاؤں کے درمیان‘‘ وغیرہ قابلِ ذکر ہیں جن میں ان کے بنیادی تصورات مثلاً عورت کے معاشی اور معاشرتی مسائل کو موضوع بنایا گیا ہے۔

مختصر یہ کہ تنویرانجم کی شاعری میں تانیثی مسائل جیسےطبقہ ٔنسواں کی بھوک ،صنفی رستگاری، روزگار، آزادی ،عملی صنفی ضرویات اور صنفی شناخت وغیرہ کوموضوع بنا یا گیا ہےاور مردانہ نظام ِ اخلاق کا رّد پیش کیا گیاہےتاہم ان کی شاعری میں قاری کو مرد بے زاری کا احساس بھی ہو تا ہے۔ اُ ن کی شاعری میں ایک نئی عورت کا ایسا تصور ملتا ہے جومشرقی اور روایتی عورت کے تصورات سے یکسر مختلف ہے اور مغرب سےماخوذہے۔ شاعرہ کے نزدیک جب تک عورت کو مغربی عورت کی طرح سیاسی اور قانونی خود مختاری نہیں ملتی اُس وقت تک مشرقی عورت کی صحیح آزادی کا تصور کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ چنانچہ اِن وجوہات کی بنا پر یہ کہنا درست ہے کہ انہوں نے فکری لحاظ سے دوسرے تانیثی سکو لوں کے مقابلے میں آزاد رَو تانیثیت کے افکار سےزیادہ استفادہ کیا ہے ۔

مجموعی حوالے سے اگر دیکھا جائے توجدید اُردو شاعرات نے نہ صرف صنفی امتیازات کے خلاف آواز اُٹھائی ہے بلکہ موئثر طریقے سے اُردو شاعری میں ایک نسائی اصلوب کو بھی جواز دیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج پاکستانی اُردو شاعری میں جدید عورت کی آواز منفرد اور موئثر سُنائی دیتی ہے ، ڈاکٹر کہکشا تبسم نے درست کہا ہے ؛

’’جب حنائی انگلیوں نے قلم اور کاغذ سے دوستی گانٹھی اور اپنے جذبوں کا اظہار شعر گوئی کے بہانے کرنا شروع کیا تو تہذیبی جبر نے ان کے وجود کی حرمت پر ہی سوال کھڑے کرنے کا کام شروع کیا اور تاریخی جبر نے اسے اوراق میں درج کرنے سے پہلے جھاڑ لیا۔‘‘(۱۰)

***حوالہ جات:***

۱۔ آنکھیں لہریں ، تنویر انجم، شکیل پبلیشرز، کراچی، ۱۹۸۲ء، ص۱۶۱تا ۱۶۳

۲۔سفر اور قید میں نظمیں ، تنویر انجم، زبیری پبلی کیشنز، کراچی، ۱۹۹۳ء، ص۱۹تا۲۱

۳۔ایضاً، ص۸۵

۴۔ایضاً، ص۱۰۶،۱۰۷

۵۔نئے نام کی محبت، تنویر انجم، سٹی پریس بُک شاپ، کراچی، ۲۰۱۳ء، ص۴۵

۶۔ایضاً، ص۱۷۹تا۱۸۲

۷۔سرو برگِ آرزو، تنویر انجم، اکادمی بازیافت، کراچی، ۲۰۰۱ء، ص۲۳

۸۔ایضاً، ص۲۰۱

۹۔زندگی میرے پیروں سے لپٹ جائے گی، تنویر انجم، سٹی پریس بُک شاپ کراچی، ۲۰۱۰ء، ص۲۸تا۳۰

۱۰۔نسائی شعری آفاق، ڈاکٹر کہکشاں تبسم ، تاج آفیسٹ پریس، پٹنہ ۔۴، ۲۰۱۵، ص۹